گمک

راحلؔ بخاری

قرطاس پبلی کیشنز

ندیم بک سنٹر، چھوٹا بازار ڈیرہ اسماعیل خان

سخن کا رمز ودیعت کیا گیا ہے مجھے
مری زبان کٹے تو لہو کلام کرے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گمک

ہمارا معیار ادب

اور صرف ادب

تزئین واہتمام اشاعت

کاشف رحمٰن کاشف

GUMAK

by

Rahil Bukhary

2017

کتاب	:	گمک
شاعر	:	راحل بخاریؔ
سرورق	:	زاہد امین، سرائے نورنگ
مشینی کتابت	:	ادراک کمپوزنگ، لکی مروت
پروف ریڈنگ	:	شہاب صفدرؔ
اشاعت	:	فروری 2017ء
قیمت	:	300 روپے
مطبع	:	بی پی ایچ پرنٹرز لاہور
پبلشر	:	ق پبلی کیشنز ڈیرہ اسماعیل خان

0333-9965535

تکوین کائنات کے پہلے استعارے
ماں کے نام

....

اپنی شریکِ حیات کے نام

میں اپنی عمر بھر کی شاعری کا دکھ
تری زندہ دلی کے نام کرتا ہوں

حرف سپاس

ڈاکٹر اسحاق وردگ، پروفیسر شہاب صفدر، طاہر شیرازی
پروفیسر محمد انور بابر، افگار بخاری، سید ثمر عباس،
عزیز عادل

محبتیں

فضل خیال، علی کونین، صفی اللہ صفی
وقار حسین، سید مصور عباس، سید سالار مہدی

مہار

گمک اور جدید شعری بیانیہ

یادش بخیر! دبستانِ پشاور کے شعری رویوں کا تجزیہ کرتے ہوئے مجھے ایک مقالے میں یہ رائے دینی پڑی تھی کہ میرے شہر کی شاعری کا مجموعی مزاج طرزِ جدید کے مسلک سے نا آشنا ہی نہیں ایک طرح سے منکر بھی ہے اور یہ شاعری آج بھی 'ایامِ روایت پرستی' سے گزر رہی ہے۔ اس باب میں میرا بنیادی تھیسز یہ رہا ہے کہ اس خطے میں جن شعری رجحانات کو اکیسویں صدی میں بھی جدید کے صیغے میں لکھا اور پڑھا جا رہا ہے انہیں جدید ہوئے نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے۔ میرا مؤقف یہ ہے کہ سوال جدیدیت کا نہیں ادبی روایت کی سائنس سے لاعلمی کا ہے۔ روایتی شعری ذہنیت جدیدیت سے اختلاف تو کرسکتی ہے لیکن اسے کلی طور پر رد نہیں کرسکتی۔ پختونخوا میں کھوکھلی ترقی پسند شاعری کا تابوت اٹھانے والے شاعروں سے یہی کلام ہے کہ جدید شاعری ہرگز گمراہ کن تصورات کا سلسلہ نہیں ہے۔

پشاور کی ادب بستی سے اٹھ کر صوبہ خیبر پختونخوا کی شاعری کو بھی جدت پسندی کی کسوٹی پر پرکھیں تو چند شاعروں کے سوا اس خطے کا شعری لہجہ روایت پرستی کی جگالی سے آگے نہیں گیا۔ اس تناظر میں جدت پسند نظریۂ شعر کا کہنا یہ ہے کہ روایت سے شعر کا رشتہ تخلیقی ہونا چاہیے نہ کہ تقلیدی۔ ذرا سوچیے! کیا بیسویں صدی میں ترقی پسند مصنفین اور حلقۂ اربابِ ذوق کی شاعری کے اسالیب تازگی کی مثال نہیں تھے؟ فکر اور اسلوب کی اس جدت کا بنیادی فیض یہی ہے کہ شاعر کی ذات کا جوہر (شعری ریاضت اور روایت شناسی کی بصیرت کے وسیلے سے) شاعری میں جدید پیرایۂ اظہار کا در وا کرے۔ یہ تو طے ہے کہ تازگی شعریت میں روایت کی پیش قدمی کی صورت گری ہے۔ روایت ہرگز جامد شے نہیں ہے۔ اس کا پہلا ظہور ہی جدت کے روپ میں ہوتا ہے۔ شعری روایت اپنے نظامِ تخلیق میں سائنٹیفک عمل ہے جو سماج، زندگی، تہذیب، انفرادی اور اجتماعی نفسیات کے تغیرات کو قبول کرتے ہوئے فکر و اسلوب کی

سطح پر انہیں جذب کرتی ہے اور یوں رد و قبول کے اس خود کار اور متوازن نظام کے تحت بدلتی دنیا میں سماج، فرد اور زندگی کے باہمی رشتوں کو ٹوٹنے نہیں دیتی۔ (۲۰۰۸ء میں ہم جدت پسند فلسفۂ ادب کو حلقہ ارباب ذوق پشاور کی میز پر لے آئے تھے، جسے روایت پرست ذہن نے شک کی نظر سے دیکھا اور منفی جمع کے حساب کتاب کا کھاتہ کھول کر شاعری کے جدید مباحث کے مکالمے کو روکنا چاہا) جدیدیت کے باب میں جتنی کنفیوژن اس خطے کے ادبی ذہنوں میں سرایت کئے ہوئے ہے، شاید ہی کہیں پر یہ فکری جمود دیکھنے کو ملے۔ اس جمود کو توڑنے کے لئے جدت پسند مصنفین یہی وظیفہ پڑھتے آئے ہیں کہ جدیدیت جمود کی رد ہے روایت کی نہیں۔ یہ اپنے مزاج میں ایک مکالمہ ہے۔ تاریخِ ادب پر نظر ڈالیے، ولی دکنی سے لے کر غالب تک کلاسیکی شاعری کے اسالیب کا تجزیہ کیجیے۔ کیا شعری روایت کی یہ وسعت تغیر کی عطا نہیں ہے؟ کیا یہ شعری مسالک اپنے اپنے عہد میں جدید رجحانات اور تازہ کاری کی مثال نہیں تھے؟ اور کیا آج بھی یہ جن آفاقی اقدار کی بنیاد پر زندہ و تابندہ ہیں وہ آفاقی اقدار ابتدائی شکل میں نئی شاعری کے اشارات نہیں تھے؟ ان استفسارات کے دائرے میں اقبال اور فیض کے اسلوبیاتی مطالعے کو لے آیئے اور پھر دیکھیے کہ شعریت کے تازہ خدوخال، تصورات اور رنگ ڈھنگ کیا ہیں؟ جدت پسند فکر کا استدلال یہی ہے کہ جدت پسندی روایت کی احیائی ناگزیر ضرورت ہے۔

میرے نزدیک اس خطے کے تنقیدی ذہن نے جدت پسندی کو مغرب کا فلسفہ قرار دیتے ہوئے اسے محدود تصورِ ادب کے زیرِ اثر ''واوین'' میں لکھنے کی عادت اپنالی ہے۔ یہاں کے تنقیدی ادب میں یہ فکری گمراہی نصابی تنقید کے راستے سے رائج ہوئی۔ نصابی تنقید کا المیہ یہ ہے کہ تفہیمِ ادب کے عمل میں اس کا طریقۂ کار فلسفیانہ اندازِ نظر اور جدید اصول علوم تنقید سے محروم ہے۔ اس عجز اور خالی پن کی پردہ پوشی کے لئے یہ روایتی تنقید اور روایت پرست نظریۂ ادب کی ''اجارہ داری'' قائم رکھنے پر اصرار کرتی ہے۔ احمد ہمدانی کی رائے کے مطابق:

''جدیدیت دراصل نہ اپنی روایت سے نفی ہے اور نہ اپنی تاریخ سے

انکار۔ جدیدیت اس طرزِ احساس کو کہتے ہیں جو انیسویں صدی کی عقلیت پرستی اور بیسویں صدی کے ردعمل کے رویے سے ابھرا ہے۔ یہ طرزِ احساس روایتی طرزِ احساس سے اس معنی میں مختلف ہے کہ یہ تجربے اور مشاہدے پر مبنی رویے کی پیداوار ہے۔''

جدت پسند نظریۂ شعر کا اجتہاد یہ ہے کہ شاعر تخلیقی انہماک میں جدید طرزِ احساس اور نئے پیرایۂ اظہار کے قرینوں کو بھی پیشِ نظر رکھیں تا کہ شاعری کسی فارمولے اور کلیے کی فرسودگی کے تحت تخلیق نہ ہو۔

یہ ہے وہ بنیادی مسئلہ جس کے باعث پختونخوا کے نئے دور کی قدیم رنگ کی شاعری جدید شاعری کی انتقادی جائزے میں شامل ہونے سے رہ گئی ہے۔ المیہ تو یہ ہے کہ پختونخوا کے نصابی ذہن کے ناقدین کے فرشتوں کو بھی اس رائیگانی کا علم نہیں۔ لے دے کے اس رائیگانی کا دکھ جدید لہجے کے نقاد اور شاعر ڈاکٹر طارق ہاشمی کے تنقیدی تصورات میں محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر طارق ہاشمی کے الفاظ میں اس مسئلے کا تجزیہ ملاحظہ ہو:

''مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں بہت سی شاعری شعر کے محض خارجی پیرایۂ اظہار کو سامنے رکھ کر کی جا رہی ہے اور اس کے داخلی توازن یا تخلیقی عمل کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کم کی جا رہی ہے۔ جس کے نتیجے میں شعراء کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور شاعری کا وجود گھٹ رہا ہے۔''

یہ ہے وہ شعری پس منظر جو اکیسویں صدی کے اس خطے کے نئے شعراء کو ورثے میں ملا۔ شاعری کے اس ورثے کے عمومی ذائقوں کی پرکھ کرتے ہوئے مجھے کلیم الدین احمد کی تنقیدی بصیرت یاد آ رہی ہے۔ انہوں نے کلاسیکی شاعری کے تجزیے میں کہا تھا:

''مجھے کہنے دیجئے کہ ان شاعروں میں اعلیٰ پایے کے شاعر ہونے کی صلاحیت موجود تھی اور یہ حقیقت غزل کی خامی اور تنگ دامانی کے باوجود بھی روشن ہے۔ افسوس ہے تو یہ ہے کہ یہ اپنے امکانات سے پورا پورا

کام نہ لے سکے اوراس کوتاہی کا الزام بھی ان پر نہیں ۔ جس ماحول میں
وہ پلے، جو روایات انہیں ورثے میں ملیں ، جو نمونے ان کے سامنے
تھے ، ان چیزوں نے ان کی شعری صلاحیتوں کو ایک خاص دھڑ لے پر
لگایا۔ وہ اپنی روایات سے مجبور تھے۔"

تو کیا مجھے بھی یہ کہنا چاہیے کہ پختونخوا میں شاعروں کی اچھی خاصی تعداد اپنے امکانات سے پورا پورا کام نہ لے سکی؟ خیر مجھے تو یہی کہنا ہے کہ جوان ذہن کے تخلیق کار اپنے شعر سازی کے نظام نقد میں شعریت کی تازگی کو تخلیقی رجحان کا حصہ بنائیں تا کہ مستقبل کے شعری زائچے میں وہ جدید رنگ بھی شامل ہو جسے روایت کی روح اور نئے شعری بیانیے کے بنیادی مطالبے کا درجہ حاصل ہے۔ جدت پسند پیرایۂ اظہار اس مجبوری سے آزادی کی تحریک کا نام ہے جو جدید شعری پیرایۂ اظہار میں رکاوٹ ہو۔

راحلؔ بخاری کا نام نئی نسل کی شاعری میں امکانات کی تازگی کی مثال ہے۔ "گمک" کی شاعری کے مطالعے کا پہلا تاثر یہ ہے کہ وہ اس خطے میں جدت پسند شاعری کی اس تحریک کا حصہ ہے جو نئے تخلیقی اذہان کو برائے نام ترقی پسند کھوکھلی شاعری اور سطحی رومانویت کی فارمولا شاعری کے اثرات سے دور رکھنا چاہتی ہے۔ راحلؔ بخاری کا شعری رویہ، طرزِ احساس، شعری آہنگ اور دھیمے لہجے کی تاثیر شعر کو فلسفیانہ رنگ میں برتنے کی مظہر ہے۔ وہ بزمِ سخن میں کسی بابِ رعایت سے نہیں آیا۔ شاعری کی یہ نئی آواز لکی مروت کے مستند علمی و ادبی خانوادے کی پروردہ ہے۔ یہ شاعری قاری سے مکالمہ کرتے ہوئے اس کے وجدان میں اترتی ہے اور یہ تاثر نقش کرتی ہے کہ یہ لہجہ ریاضت کی شعری تہذیب کے مراحل سے گزر کر سطحِ قرطاس پر اترا ہے۔ راحلؔ کا انداز اس خطے کے جواں سال شعراء سے مختلف ہے۔ اس لئے "گمک" کا ذائقہ پڑھنے والے کو نیا نیا محسوس ہوگا۔ راحلؔ ذات کی داخلیت کی گہرائیوں میں سانس لینے والا شاعر ہے۔ خارجی مضامین بھی اس کی حساسیت سے گزر کر شاعری کا روپ دھارتے ہیں۔ اس شاعری کے فکری بیانیے کا حسن یہ ہے کہ یہ فرد کی ذات کی

حساسیت پر خارج کے تخریبی مسلک سے باخبر اظہاریے کی ایک شکل ہے۔ راحتؔ بخاری کے احساس کی تعمیر خواب کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ اس کی شاعری میں دکھ اور اداسی کی لے وہاں وہاں سنائی دے گی جہاں جہاں احساس کی بنیادیں ہلتی ہوئی محسوس ہوں۔

آنکھ کا منظر نامہ بانٹ لیا جائے
یعنی خواب کا رقبہ بانٹ لیا جائے

اتنا گہرا سناٹا ہے
اپنی چاپ سے ڈر لگتا ہے

اس شہرِ پر اسرار کو آئینہ بنا دو
ہر کوئی یہاں چیختا رہتا ہے کہ کچھ ہے

اک شہرِ شیشہ بار ہے، اک خوابِ نارسا
اک نوحہ خوانِ دہر ہے، اک نوحہ خوانِ خاک

سخن کا رمز ودیعت کیا گیا ہے مجھے
مری زبان کٹے تو لہو کلام کرے

میری تنہائی کا ماتم کون کرے گا میرے ساتھ
گئے دنوں کا سارا ترکہ لٹ جائے گا میرے ساتھ

یہ شاعر حاضر و موجود کی بے حسی، سماج کی بے چہرگی اور زندگی کی بے معنویت سے بیزار ضرور ہے لیکن مایوس نہیں ہے۔ اس کی حساسیت اداسی کی ردا اوڑھ کر بھی شعر میں مزاحمت اور تحرک کے نئے منظر تلاشتی ہے۔ ''گمک'' میں کربلا سے وابستہ استعاراتی نظام کی موجودگی بھی اسی سوچ کا بلیغ اشارا ہے کیونکہ کربلا مایوسی کا استعارہ نہیں ہے۔

یہ واقعہ اس دشت میں پہلے بھی ہوا تھا
کچھ لوگ یہاں پیاس سے پہلے بھی لڑے تھے

قبیلہ، قافلہ، قیدی، قطاریں
یہ منظر شام تک پھیلا ہوا ہے
یہ کس نے دشتِ بلا سے مجھے پکارا ہے
ابھی ابھی تو مجھے زندگی نے ہارا ہے
ابھی میں آیۂ تطہیر پڑھنے والا ہوں
یہ خامشی کسی الہام کا اشارا ہے
سوا نیزے پہ سورج جل رہا ہے
سرِ نیزہ تلاوت ہو رہی ہے
یہاں تیروں کے بدلے مسکراہٹ
یہاں نیزوں کے اوپر روشنی ہے
ایک خیمے میں بجھ گیا تھا چراغ
آج تک اس نگر میں روشنی ہے
اک منظر ہے جس میں موج ہے پانی کی
اک منظر ہے جس میں ریت کا ٹیلا ہے

اس رنگ و کیفیت کے اشعار دشت، ہجرت اور بے کلی کے مقابل نئے سماجی منظر نامے میں بھی مزاحمت کے نئے رویے نظم کرتے ہیں۔ لیکن اس عمل میں جذبے کی شدت شعر میں ڈھلتے وقت پیرایۂ اظہار کی نفاست اور دھیمے لہجے کی ساحری سے رشتہ نہیں توڑتی۔ جذبے اور طرزِ اظہار کا یہ توازن زندگی کے تاثر کو ابھارتا ہے۔ جو جدید شاعری کے اسلوب کی زرخیز جہت ہے۔ اسی اسلوب کی برکت سے نئی شاعری نے معلوم حقیقتوں کو بھی شاعرانہ افسانویت کا لمس دے کر نیا چہرہ بخشا ہے۔

راحل بخاری نے شعر کی جمالیات میں پیکر تراشی کے سلیقے، کہانی کی فضا، زندگی کا مبہم روپ، فرد کا سماج سے بے یقین رشتہ، صنعتوں کے نئے پن، ماقبل کی شاعری سے مختلف

شعری زبان کی تشکیل کے وسیلوں کو برتنے کی سعی کی ہے۔ڈکشن کی یہ تعمیر اور قرینہ شعری میں لفظ شناسی کی تخلیقی بصیرت جواں سال شاعروں کو بہت کم نصیب ہوتی ہے۔ایسے ہنر مند شاعر شعر سازی میں مذکورہ بصیرت سے روشنی کا کام لیتے ہیں جو تخلیق شعر کے سفر میں تاریکیوں کو دور کرتے ہوئے لفظیات میں معنویت کے نئے امکانات دریافت کرتے ہیں اور قارئین متن کی قرأت میں لفظیات کی صوتی اور معنوی آہنگ سے حظ کی وہ اعلیٰ کیفیت اور اسلوب کی داخلی صفت اور رفعت وضع کرتے ہیں جو اسلوب کے احسن معیارات کا حصہ ہے۔شعر سازی میں شاعر کی نظر تخلیق کے معنوی پہلو کے ساتھ ساتھ لفظی جہت پر بھی ہوتی ہے۔راحل بخاری جدید شعریات کی اس صفت کی آگہی رکھتا ہے۔وہ تخلیقی کیفیت میں لفظ،صوت اور معنویت کے رشتوں کے نظام اور توانائی اور قاری کی حسیات پر قرأت کی اثر پذیری کا ہم مزاج شاعر ہے۔لفظیات کے چناؤ میں اس کی لفظ شناسی شعر کے ڈکشن کے مجموعی تاثر کو بھی اپنی نگاہ میں رکھتی اور پرکھتی ہے۔ نئے شاعروں میں یہ تخلیقی شعور بہت بعد میں جنم لیتا ہے۔لیکن راحل بخاری کا حسنِ سلیقہ ایک درِ امکان کھولتا ہے۔"گمک" میں یہ مہارت عمومی لفظیات کو بھی شعری منظر نامے میں خاص تاثر سے نوازتی ہے۔ چاہے یہ سلیقہ زبان کے استعاراتی نظام کی شکل میں ہو یا علامتی طرز کے روپ میں، ترکیب سازی کے پیراہن میں ہو یا رمزیت کی تشکیل کی صورت میں وہ لفظ کی توانائی کی دریافت اور استعمال کی قدرت رکھتا ہے۔اس لئے راحل بخاری کی شاعری کا ساختیاتی مطالعہ اس کے جدت پسند مزاج کا بامعنی منظر نامہ ہے۔زیرک قاری اور اہلِ نظر نقاد "گمک" کے اس وصف سے ضرور حظ اٹھائیں گے۔راحل بخاری کے لفظ شناسی کے نمونے ملاحظہ ہوں:

> دھوپ اوڑھے ہوئے رستے،انتسابِ وقت،دشت کی خامشی کا مظہر، نئے قافیے کا مصدر،گماں کا پہلا منظر، نیلے مناظر،غبار کا پردہ،زخم کا حاشیہ،نمی کا ذائقہ، سبز پرندے، دودھیا شیشے کا مینارہ، نیلی جھیل سنہری ناؤ، زمیں گھوڑوں کی ٹاپیں سن رہی ہے۔

راحلؔ کی شاعری کا سفر جن تخلیقی فضاؤں سے گزرتا ہے اس میں سمجھوتے یا قیام کی اجازت نہیں ہے۔ جیتے جاگتے مناظر کا ایک بہاؤ ہے۔ آگے بڑھنے کی جستجو ہے۔ کہیں قرار نہیں ہے۔ اگر ان مسافتوں اور منظروں کا اشاریہ ترتیب دیا جائے تو یہ سب کسی ادھوری کہانی کی گم شدہ کڑیاں محسوس ہوں گی۔ جس کے نقوش میں دھندلاہٹ ہے۔ سفر، خواب، تحرک، جہد للبقا، آسمان سے ربط کی بے چین خواہش، دھندلے منظروں کی کشش، ذات کی حدود سے نکلنے کی لہک، تخلیقی کرب کے اشارات۔۔۔۔غرض محسوسات کا یہ کینوس موضوعاتی رنگوں میں محدود نہیں ہے۔ ان فضاؤں کی کہانی جدید ہے لیکن مسافر کسی قدیم کردار کا نمائندہ ہے۔ جو اس کہانی کی سرحدیں اپنے خواب سے ملانا چاہتا ہے۔ لیکن ایک جبر کا سلسلہ اس کی راہ میں حائل ہے۔ جس کے نتیجے میں رائیگانی اور کھونے کا دکھ پورے احساس کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے۔ راحلؔ بخاری کے ہاں رائیگانی گہری محویت اور کشش کا مظہر ہے۔ رائیگانی کی لہروں کا شعری منظر نامہ ان اشعار میں دیکھیے:

مجھ کو سننے والے گونگے کیوں ہوتے ہیں
مجھ سے بولنے والے بہرے کیوں ہوتے ہیں

تو مرے حصے کی وحشت کا مزہ لیتا ہے
اور میں تیری مشیت کا مزہ لیتا ہوں

میں آئینے میں خود کو کھوجتا ہوں
یہ گاؤں کب کا خالی ہو چکا ہے

تصویرِ ہست و بود کے سب رنگ شوخ ہیں
کیا جانیے کہ میں ہی ازل سے غریب ہوں

میں تہہ خانے تلک پہنچا تھا راحلؔ
وہاں شہزادی ماری جا چکی تھی

ایک تصویر میں جیسے ہم لوگ
زندگی بھی عجیب منظر ہے

رزمیہ ماحول بھی ''گمک'' کی پرکشش جہت ہے۔ یہ پہلو سماج کی زندگی کا سوزِ دروں ہے جہاں زندگی کی دہلیز پر ایک محاذ کھول دیا گیا ہے۔ شعور چیخ کے گھیرے اور خوف کے پہرے میں ہے۔ یہ امید اور یاسیت کی وہی کشمکش ہے جس سے خیبر پختونخوا کا وجود کئی عشروں سے گزر رہا ہے۔ خوف، محاذ کی نفسیات اور رزم گاہ کی ملی جلی کیفیت ان اشعار میں محسوس کیجیے:

آخری ہچکی لے گا کون
میری جنگ لڑے گا کون

بابا جانی کون ہے دشمن سوہنے رب کا
ہر مسجد کے باہر پہرے کیوں ہوتے ہیں

سنسنی آہٹوں سے پہلے تھی
خوف خاموشیوں کا مظہر ہے

قریب تر ہے کہ لشکر میں پھوٹ پڑ جائے
کسی نے رکھ دیے مقتل میں آئنے لا کر

یہاں لوگوں کے دل پتھر ہوئے ہیں
یہاں سینے میں برچھی ٹوٹتی ہے

فلک خاموش ہے بہر تماشا
زمیں گھوڑوں کی ٹاپیں سن رہی ہے

دل وسوسوں سے کیوں نہ بھرے یارِ خوش گماں!
آسیب رہنے لگتے ہیں خالی مکان میں

فریبِ ذات کا عرصہ عبور کرنا ہے
یہ راستہ مجھے تنہا عبور کرنا ہے

پہروں اپنی انگلی پکڑے اک پیپل کی چھاؤں میں
اکثر خود سے کھو جاتا تھا اکثر خود کو پایا تھا

مجھ کو اس پار سوچنے والے
میں ترے سامنے کا منظر ہوں
میں اکیلے میں بہت خوفزدہ رہتا ہوں
یہ مری دیدہ وری راس نہ آئی مجھ کو

''گمک'' اس شعری ماحول کی شاعری ہے جہاں اکثر شاعر نوکلاسیکی لہجے کو ہی شعرِ کل سمجھتے ہیں۔ اہلِ نقد کو جامعیت کے ساتھ یہ تجزیہ کرنا ہے کہ شاعری کی یہ حد بندی تخلیقی عجز کا اظہار ہے یا روایتی شعری ذہنیت کا نتیجہ ہے یا جدید شعری اسالیب سے بے خبری کا کوئی مسئلہ۔ میں جب ان سوالات کے روزن سے جھانکتا ہوں تو یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ اس شعری ماحول میں تازہ شعری فضاؤں کی تخلیق کیسے ہوگی؟ لیکن جب نئے شاعروں میں راحلؔ بخاری جیسی تخلیقی اپچ کے نشانات ملتے ہیں تو نئی شاعری پر میرا ایمان مزید پختہ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ اس خطے کے ساتھ تخلیق کاروں کا یہ مجموعی رویہ کہیں شاعری کی معنویت اور جواز پر سوالیہ نشان نہ لگادے۔ مجھے یہ خدشہ بھی ہے کہ پختونخوا کا روایت پرست اور عمومی شعر سے حظ اٹھانے والے قاری کا ذوق ''گمک'' کے ذائقوں کو مشکل پسندی کی مثال نہ سمجھ لے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ اس شاعری کا کامرانی کی سمت ایک قدم ہوگا۔ تاریخِ ادب گواہ ہے کہ روایت نے آگے بڑھ کر ہمیشہ ایسے شعری قدم کا خیر مقدم کیا ہے جو نئے امکانات کا راستہ بناتی ہے۔

ڈاکٹر اسحاق وردگ

پشاور

16 جنوری 2017ء

روشنی

راحل بخاری کی شاعری دراصل اس کی روحانی سرگذشت ہے۔ وہ خارج سے زیادہ داخل میں گزر بسر کر رہا ہے۔ دراصل وہ جس صحرا کا باسی ہے وہاں شاید اسے کوئی ہم زبان یا ہم جلیس ایسا میسر نہیں آیا جس سے وہ اپنی کہانی کہتا سواس نے اپنے آپ کو اپنا دوست بنالیا۔ وہ باتیں جو تنہائی میں وہ اپنے ساتھ کرتا ہے انہیں شاعری کا نام دیتا ہے۔ لفظ اس کے ساتھی ہیں اور آنسو اس کی کیفیتوں کے ترجمان ہیں۔ وہ سید زادہ ہے سو ایک روشنی کی لہر اسے ورثے میں ملی ہے۔ پھر اسے اپنے عہد کی کربلا نے بھی نئے زخم عطا کیے ہیں۔ روشنیوں کے یہ دو دھارے مل کر اس کے اسلوب کی قوس قزح میں رنگ بھرتے ہیں۔

نئی غزل اور خصوصاً خیبر پختونخوا میں نئی اردو غزل غلام محمد قاصر اور مقبول عامر کے بعد جس اجتماعی تجربے سے گزر رہی ہے لکی مروت سے راحل بخاری کی آواز اپنے ماحول اور معاشرت کی نمائندہ بن کر اس کا حصہ بنی ہے۔ وہ ذات و کائنات کے اسرار بھی بیان کرتا ہے اور ہونے نہ ہونے کی پیچیدگیوں کے راز بھی افشا کرنے میں منہمک نظر آتا ہے۔ ان سب کے ساتھ ساتھ اس کا لہجہ کہیں بھی بوجھل یا بھاری بھرکم نہیں ہوتا۔ زبان صاف اور اسلوب سادہ ہے۔ گویا وہ غزل کا مزاج دان ہے۔ لہٰذا اس کی شاعری غیر مانوس یا ناخوشگوار ہرگز نہیں۔ ایک میٹھے مستانے اور دلآویز گیت کے بول جس طرح سامع کو کسی دور پار نگر میں لے جاتے ہیں، راحل بخاری کے مصرعے بھی قاری کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں اور اسے سرشاری اور سرمستی کی کیفیت میں اپنے ساتھ بہالے جاتے ہیں۔

شہاب صفدر

ڈیرہ اسماعیل خان

15 جنوری 2017ء

دعائے خیر

جب کوئی طے کرلے کہ اس کا ہونا اس کے تخلیق کئے ہوئے لفظوں میں ہو تو وہ اسے بھی سن لیتا ہے جو آج تک کوئی بھی کہہ نہیں پایا۔ نئی صدی کے آغاز سے اب تک جن آوازوں نے اردو ادب میں شعری فضا کو مہکایا ہے۔ ان میں راحلؔ بخاری کی تخلیقی صلاحیتوں سے انکار ممکن نہیں۔ وہ بے آواز صداؤں کو سننے اور ان دیکھی شکلوں کو ایسا دیکھنے والا ہے کہ کہیں بے ربط خیالی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ راحلؔ بخاری کا تعلق ضلع لکی مروت سے ہے جہاں سے اس سے قبل اردو شعری ادب کا کوئی نمایاں حوالہ نہیں ملتا۔ بنوں میں اس سے پہلے ہمیں ایسی کوئی مثال مقبول عامرؔ مرحوم کی صورت میں ملتی ہے۔ راحلؔ کی شاعری میں پاکیزگی ایک اعتقاد لئے کچھ ایسا تاثر دیتی ہے جیسے ظلمتوں میں کوئی دعائے خیر مانگ رہا ہو۔ اس کم عمری میں اتنی بھرپور اڑان سے لگتا ہے کہ اس کے ارادے بہت بلند ہے۔

طاہرؔ شیرازی

ڈیرہ اسماعیل خان

15 جنوری 2017ء

گمک

دل کی دھک دھک ہو یا دروازے کی دستک، غنچہ کی چٹک ہو یا کلی کی مہک، ساحل پر دوڑتے قدموں کی گرمی ہو یا فضا میں اڑتے پرندوں کا نغمہ، کہساروں پر پھیلی برف جیسی خاموشی ہو یا دو دلوں کے درمیان مہکتا ہوا مکالمہ۔ جب بے کلی آنکھوں میں دیپ جلاتی ہے، جب دور کہیں بانسری بجتی ہے، جب گلاب اپنی جوبن پر ہوتے ہیں تب دل پر چوٹ پڑتی ہے۔ رگ و پے میں اضطراب کی لے مرتعش ہو جاتی ہے۔ شعور کو شعر کی چاشنی عطا ہوتی ہے۔ شعر کو شعور سے رزق ملتا ہے اور شعور کو کیفیات سے، کیفیات رویوں سے ڈھلتی ہیں اور رویے طبیعتوں سے۔ آسودہ طبیعتیں، آسودہ روحیں اور روحوں کا ترانہ۔ اس ہنر میں انسان خود سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

سورج کی روشنی جب مصلوب واہموں کو چھو کر تمام مناظر کو اجاگر کر رہی تھی۔ میں اتنا جانتا تھا کہ جب قطبی ستارا میری دہلیز پر چمکے گا وہ وقت 'وقتِ تحویل ہوگا، دعاؤں کی قبولیت کا لمحہ۔ حاصل اور لا حاصل کے بیچ ایک حرف کی مسافت ہے، حرف لا، اور جب وہ حرف کھلتا ہے تو دل سے دنیا تک اور زمین سے زمان تک قوسِ قزح کے رنگ بکھر جاتے ہیں۔ تب ہر لمحہ وقتِ معلوم بن جاتا ہے۔ تب ایک ہی وجود میں کئی موجودات کا تعین کیا جا سکتا ہے، رات، آئینہ، وجود، روشنی، دعا، چراغ، قبیلہ، قافلہ، حاصل؟؟؟؟ لا حاصل؟؟؟؟ تھکن سے بدن ٹوٹ چکا تھا۔ میں حیرت کدۂ ہست و بود میں، وحشت کدۂ شش جہات میں خود کو کرچی کرچی آئینے میں بیسیوں جہات سے دیکھ رہا تھا۔ شاید یہی وقتِ تحویل تھا دعاؤں کی قبولیت کا لمحہ۔

مگر۔۔۔۔

جب مجھ پر اترنے والی روشنی آئینے میں عکس ہوئی تو میں تنہا تھا۔تنہائی کا یہ لمحہ تاریک رات کی طرح سیاہ تھا۔اس تنہائی میں انسان آوازوں کی کٹھ پتلی بن جاتا ہے،مگر کب تک؟ وقت کے پگھلتے لمحوں کے درمیان جب فیصلے کی گھڑی آ پہنچتی ہے تو وہ اپنا ہاتھ مقابلے سے کھینچ لیتا ہے۔رات ٹوٹے ہوئے ستارے کی آرزو میں بے ثمر گزر جاتی ہے۔آنکھ کو کریدا جائے تو خواب مہکنے لگیں اور ہتھیلی کی لکیروں کو گزرگاہ بنایا جائے تو جزیرے پانیوں کو پاٹنا شروع کر دیں۔مگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ آئینے پر بنی تصویر نئے خدوخال میں ڈھل جاتی ہے، یوں لگتا ہے پردے کے پیچھے کوئی چھپا ہوا ہے۔ہر لمحہ گھورتی ہوئی سیاہ آنکھیں اور پھر تھکا دینے والی کیفیت کا ڈر، ایسے ماحول میں بھی میں تازہ لمحے تراشتا رہا۔میرے حصے کا کوئی راستہ معین نہیں تھا، مجھے نئی آگ کی تلاش میں اپنا طور کھوجنا تھا کیونکہ میرا تعلق تیرہویں قبیلے سے تھا۔

اپنے پیچھے میں نے بہت دھول اڑائی مگر زندگی کا کوئی بھی راستہ صاف نہیں کر سکا، اب میں اپنے خوابوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔میرے خواب، میرے اشعار آپ کے حوالے کہ اگلی منزل تک بہتی دھوپ میں مجھے اپنے بے چہرہ وجود کے ساتھ سفر کرنا ہے۔(کہ میں اپنا چہرہ اپنے خواب آپ کے سپرد کر چکا ہوں)

راحلؔ بخاری

کاشانہ بخاری

۱۷ ربیع النور ۱۴۰۳۸ھ

غ

اپنی آشفتہ طبیعت کا مزہ لیتا ہوں
کش لگاتا ہوں اذیت کا مزہ لیتا ہوں

آنکھ بھی سامنے ہونے پہ یقیں رکھتی ہے
خواب در خواب سہولت کا مزہ لیتا ہوں

تو مرے حصے کی وحشت کا مزہ لیتا ہے
اور میں تیری مشیت کا مزہ لیتا ہوں

چاندنی ، سرد ہوا ، پھول ، پرندے ، خوشبو
رات بھر تیری ضرورت کا مزہ لیتا ہوں

جھیل میں آگ لگاتا ہوں بڑی فرصت سے
اور پھر بیٹھ کے فرصت کا مزہ لیتا ہوں

خوف کھاتا ہوں کہیں خود سے نہ اکتا جاؤں
وقت کی تازہ روایت کا مزہ لیتا ہوں

غ

وقت سانسوں کے ساتھ چلتا ہے
دل جلاتا ہوں دیپ جلتا ہے

درد اٹھتا ہے دل پگھلتا ہے
زخم کا حاشیہ بدلتا ہے

میں بہت پہلے جاگ جاتا ہوں
دن بہت دیر سے نکلتا ہے

لوگ آتے ہیں لوگ جاتے ہیں
زندگی کا نظام چلتا ہے

میں ترا نام گنگناتا ہوں
اس سے آگے چراغ جلتا ہے

غم کا اپنا مزاج اپنا سرور
وقت بھی ذائقے بدلتا ہے

دل دھڑکنا عذاب ہے راحلؔ
عمر ڈھلتی ہے بخت ڈھلتا ہے

غ

دل آگاہ نظر بینا ہے
آئینہ تصویر نما ہے

اتنا گہرا سناٹا ہے
اپنی چاپ سے ڈر لگتا ہے

میں نے چکھ کر دیکھ لیا ہے
وہ بھی سارا مٹی کا ہے

دودھیا شیشے کا مینارہ
کالے پتھر کا زینہ ہے

جب بھی تیرا نام پکاروں
ساتواں در کھلنے لگتا ہے

روم روم مہکائے جائے
دل کا ہر اک زخم ہرا ہے

خواب نگر تو جنگل ٹھہرا
اس جنگل کو شراپ لگا ہے

میں تو گھٹن سے مر جاتا ہوں
تو اچھا ہے رو لیتا ہے

آئینہ موجود ہے راحلؔ
لیکن میں نے خواب چُنا ہے

غ

فریبِ ذات کا عرصہ عبور کرنا ہے
یہ راستہ مجھے تنہا عبور کرنا ہے

ابھی تو نیلے مناظر پڑاؤ کرنے ہیں
ابھی تو ایک تماشا عبور کرنا ہے

ہمیں بھی نوکِ سناں پر کلام کی توفیق
ہمیں بھی آخری سجدہ عبور کرنا ہے

زمانہ لمحۂ انکار میں سمٹ آیا
بس اب تو ایک ہی لمحہ عبور کرنا ہے

امید ہے کہ مری آنکھ روشنی پائے
کسی غبار کا پردہ عبور کرنا ہے

غ

تیری یادیں ترا خیال
ایک لباس میں اتنے سال

ایک سا ماضی ایک سا حال
سرخ ہتھیلی ، سبز رُمال

بے صبری کا اپنا جوگ
بے تابی کی اپنی چال

اپنے دل کی دل میں رکھ
اپنے من کی آپ سنبھال

ویرانہ بیلہ اور شام
وقت اجاڑے ماہ و سال

تصویروں کا سوگ منا
آئینے میں پڑ گیا بال

زخم ہرے ہیں راحلؔ جی
دل کا دامن مالامال

غ

مانا کہ خزاں کے بھی کئے وار کڑے تھے
پتے بھی مگر ربط نبھانے پہ اڑے تھے

ماحول کی عریانی فقط مجھ پہ کھلی تھی
اُس آئنہ خانے میں کئی لوگ کھڑے تھے

یہ واقعہ اس دشت میں پہلے بھی ہوا تھا
کچھ لوگ یہاں پیاس سے پہلے بھی لڑے تھے

الماری میں بوسیدہ سے اوراق کے ہمراہ
بیتے ہوئے کل کے سبھی لمحات پڑے تھے

جس وقت مرے صحن میں دیوار اٹھی تھی
اس وقت مری آنکھ سے کچھ عکس جھڑے تھے

غ

تھوڑا سا بد حواس ذرا سا عجیب ہوں
طرفہ مزاج شخص ہوں طرفہ نصیب ہوں

یہ احتیاجِ زیست مجھے مار ہی نہ دے
تکوینِ کائنات کا پہلا نقیب ہوں

اے محضرِ خیال! تری تشنگی کے نام
اے دشتِ حرف وظرف! میں تیرا نصیب ہوں

تو روشنی کے لمس سے مہکا ہوا وجود
اور میں چراغِ آخرِ شب کے قریب ہوں

تصویرِ ہست و بود کے سب رنگ شوخ ہیں
کیا جانیے کہ میں ہی ازل سے غریب ہوں

کن کی صدا میں گونجتا رہتا ہے قہقہہ
اے شہرِ بے ثبات! میں تیرا رقیب ہوں

یہ بد دعا نہیں کہ تجھے سوچنا محال
یہ بد دعا نہیں کہ میں تیرا ادیب ہوں

غ

زندگی کیا ہے ایک منظر ہے
ریت ہے ، تشنگی ہے ، کیکر ہے

آپ بے حد حسین ہیں لیکن
دل تو یاقوت کا بھی پتھر ہے

ایک تصویر میری آنکھوں کی
ایک تصویر میں سمندر ہے

سایۂ عاطفت میں رہتا ہوں
غم ترا راحتوں سے بڑھ کر ہے

آپ کیوں دیر سے کھڑے ہیں یہاں
آیئے پاس ہی مرا گھر ہے

کوچۂ ذات میں بھٹکتا ہوں
آپ کا راستہ تو ازبر ہے

سنسنی آہٹوں سے پہلے تھی
خوف خاموشیوں کا مظہر ہے

ایک تصویر میں جیسے ہم لوگ
زندگی بھی عجیب منظر ہے

میں ستارا مزاج ہوں راحلؔ
جاگنا ہی مرا مقدر ہے

غ

زندگی حسن سے تعبیر بھی ہو سکتی تھی
چاندنی دشت پہ تحریر بھی ہو سکتی تھی

بے بسی جادۂ پر خار پہ لائی مجھ کو
بے بسی پاؤں کی زنجیر بھی ہو سکتی تھی

ایک آواز طلسمات میں ڈوبی آواز
ایسی آواز کہ تصویر بھی ہو سکتی تھی

ایک سایہ پسِ دیوار بھی لہراتا تھا
سنسنی اتنی ہمہ گیر بھی ہو سکتی تھی؟

بھاگتے بھاگتے سب رنگ سمیٹے ہم نے
وقت کا پھیر ہے تاخیر بھی ہو سکتی تھی

غ

اس قدر خوف کہاں دل میں بسا کرتا تھا
اک ستارا پسِ امید رہا کرتا تھا

خون کی دھار کو تلوار کیا ہے جس نے
اس کہانی میں کبھی باغ ہوا کرتا تھا

زخم تکوین کے لہجے میں اتر آئے ہیں
پیڑ تو جب بھی پرندوں سے سجا کرتا تھا

محفلیں سجتی تھیں اور لوگ ملا کرتے تھے
اتنی سی بات پہ کیا حشر اٹھا کرتا تھا

رات کے ڈھائی بجے گھر کو پلٹتے راحلؔ
تب سرِ راہ کوئی دیپ جلا کرتا تھا

غ

حالتِ حالِ دل نوشتہ ہے
دم گزیدہ ہے شب گزیدہ ہے

درد نس نس میں دوڑتا ہے میاں
زخم ہے مستقل سلگتا ہے

میں کہانی کا آخری منظر
میرے آتے ہی پردہ گرتا ہے

لوگ کتنے فسانے گھڑتے ہیں
میں بھی قضیہ ہوں؟ تو بھی قضیہ ہے؟

بس ذرا مسکرا دیا کیجیے
دلنوازی بڑا وظیفہ ہے

تو مری اور بڑھ میں تیری طرف
بانٹ لیتے ہیں یہ جو رستہ ہے

ہم قدامت پسند لوگوں کو
ہر نیا رنگ دل میں چبھتا ہے

غ

تجھ امتحانِ شوق کی پہلی بہار دیکھ
اے محضرِ ثبات! مجھے بے قرار دیکھ

اے دل پذیر! دیدۂ عصیاں کے داغ دھو
اے دل فگار! دیدۂ بینا کے پار دیکھ

آئینۂ جمال ترے حسن سے کشید
اے خوش مزاج! میری طرف بار بار دیکھ

مقسوم بھر ہر ایک کلی مسکرائے گی
اے زود رنج! شوخیِ لیل و نہار دیکھ

اس دشت زارِ زیست میں سورج ہے سرنگوں
وحشت سرائے دہر میں کچھ سایہ دار دیکھ

آنکھوں میں زخم ، زخم کی تاثیر بے کلی
اور بے کلی میں سایۂ لطف خمار دیکھ

غ

آنکھ کا منظر نامہ بانٹ لیا جائے
یعنی خواب کا رقبہ بانٹ لیا جائے

ایک چراغ کو محرمِ راز کیا جائے
اور اندھیرا کونہ بانٹ لیا جائے

تیرے میرے بیچ مزاج کا پردہ ہے
کیا کہتے ہو پردہ بانٹ لیا جائے

بٹوارہ مقدور ہوا تو گھر ہی کیوں
بہتر ہوگا رستہ بانٹ لیا جائے

یار کتابیں مجھ کو کھائے جاتی ہیں
سوچتا ہوں اب کمرہ بانٹ لیا جائے

غ

دشت میں نور جگمگایا تھا
آپ نے جب دیا بجھایا تھا

رنگ لے کر تصورِ گل سے
ہم نے خوشبو کا دل بنایا تھا

خامشی خوف سے عبارت ہے
میں نے کچھ شور بھی مچایا تھا

دھوپ سے جل رہا تھا اس کا بدن
دشت پر چاندنی کا سایہ تھا

ایک معصوم مسکراہٹ سے
زندگی کا سراغ پایا تھا

غ

حرفِ وفا سرشت لکھے داستانِ خاک
سجدہ گزار ہو گئے منت کشانِ خاک

سرِ نہانِ دشت ہوا تشنگی پہ وا
سر پر اٹھا لیا ہے ہوا نے جہانِ خاک

ماتھے پہ نورِ خاکِ شفا ، حبِ بوتراب
ہم لے چلے درونِ کفن ارمغانِ خاک

'ھل من' پکارتی ہے شبِ تار میں زمیں
روشن سماعتوں میں پڑے گی اذانِ خاک

اک شہرِ شیشہ بار ہے ، اک خوابِ نارسا
اک نوحہ خوانِ دہر ہے، اک نوحہ خوانِ خاک

غ

جانے ہوتا بھی یا نہیں ہوتا
میں اگر آپ کا نہیں ہوتا

میرے کمرے میں نور ہوتا ہے
اور کوئی دیا نہیں ہوتا

میں ترے ہاتھ چوم لیتا ہوں
خواب کا دائرہ نہیں ہوتا

زاویے ہیں نظر کے کیا کیا کچھ
وقت اچھا برا نہیں ہوتا

اپنی تصویر آنکھ میں رکھنا
ہر جگہ آئنہ نہیں ہوتا

غ

آخری ہچکی لے گا کون
میری جنگ لڑے گا کون

میرا لہجہ دھیما ہے
میری بات سنے گا کون

سرخ کبوتر زرد منڈیر
یہ تاریخ لکھے گا کون

شاید ہم پر وقت آئے
پہلا وار کرے گا کون

اتنی خاموشی کے بعد
دل کی بات کہے گا کون

میں نے دامن جھاڑ دیا
اتنا درد سہے گا کون

انہونی کی ہونی دیکھ
دوسری بار ملے گا کون

غ

اک دریا ہے اور اک ٹوٹا مٹکا ہے
اس منظر کا رقبہ صدیوں پھیلا ہے

تیری یادوں سے من میں ہریالی ہے
ویسے رنگ اور دھوپ کا گہرا رشتہ ہے

کہنے کو تو میں بھی سانسیں لیتا ہوں
کہنے کو تو زُحَل بھی ایک ستارا ہے

اک منظر ہے جس میں موج ہے پانی کی
اک منظر ہے جس میں ریت کا ٹیلا ہے

آج بھی ایک آواز سنائی دیتی ہے
آج بھی سورۂ کہف کا قصہ زندہ ہے

ایک دیا جلتا رہتا ہے شیشے میں
اک آئینہ ہے جس میں اندھیارا ہے

تم کیا جانو میں کتنا کارآمد ہوں
میرے ہاتھ پہ لوحِ ازل کا نقشہ ہے

غ

شام کا پہلا اندھیارا تھا
میں تجھے کیسے بھول گیا تھا

پورا کمرہ مہک رہا تھا
آئینے میں پھول کھلا تھا

کامنی لڑیاں چمک رہی تھیں
کوئی ہیرا ٹوٹ رہا تھا

سبز پرندے لوٹ آئے تھے
پیڑ بھی نیند سے جاگ اٹھا تھا

پیاس نہایت تک پہنچی تھی
دشت بھی جلتا انگارہ تھا

میرے گھر کے دروازے پر
ایک عجیب نشان بنا تھا

کتنی بھیانک آوازیں تھیں
پچھلی رات میں کب سویا تھا

غ

عکس پہچان کا وسیلہ ہے
اپنی بے چہرگی بھی چہرہ ہے

سرمئی شام ، نیلگوں رستے
میرے ہمرہ مرا قبیلہ ہے

یہ جو تھوڑی سی روشنی ہے میاں
ایک امکان کا حوالہ ہے

دھوپ اڑتی ہے سائے ڈھلتے ہیں
زندگی بے نیاز رستہ ہے

اپنے اندر بھی جھانکنا چاہیے
پسِ آئینہ پیش خیمہ ہے

کس قدر دل فگار باتیں ہیں
کس قدر دل فریب لہجہ ہے

چپ کی چادر لپیٹ لی راحلؔ
بزمِ ہستی فریب خانہ ہے

غ

دل کتنا فریبی ہے اداکار نہ ہو جائے
یہ روزنِ در روزنِ دیوار نہ ہو جائے

اک خواب ترے وصل کی خوشبو سے رچا خواب
یہ خواب مجھے باعثِ آزار نہ ہو جائے

یہ ہنستے ہوئے لوگ یہ مہکے ہوئے منظر
یہ بھیڑ کہیں واقفِ اسرار نہ ہو جائے

دل ہے کسی امید کے سائے میں فروزاں
یک طرفہ تسلی کا سزاوار نہ ہو جائے

یہ وسوسۂ کون و مکاں حاصلِ تشکیک
وہ شخص کہیں مجھ میں گرفتار نہ ہو جائے

راحلؔ میں کسی شام کا بجھتا ہوا سورج
دنیا ہی کہیں میری عزادار نہ ہو جائے

غ

پچھلے پہر کے گہرے سائے
جیسے کوئی روتا جائے

ٹھنڈی ہوگئی شام کی چائے
گھڑی کی سوئی شور مچائے

پھیر زمیں کا چکر سائیں
وقت کی نیا ڈوبی جائے

زلف کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں
جانے کیا کیا حشر اٹھائے

آنکھ ہی آنکھ کا منظر سینچے
مر جائے جو آنکھ چرائے

اک تصویر میں سرخ کبوتر
خاموشی کا گیت سنائے

رات کی عریانی سے پہلے
یادوں کی خوشبو لہرائے

غ

بے اماں شب کا دھواں ڈر کی طرف کھینچتا ہے
ایک نادیدہ سمندر کی طرف کھینچتا ہے

دل کہیں دور، بہت دور نکل جاتا ہے
وقت تصویر کے اندر کی طرف کھینچتا ہے

میں کھرچتا ہوں ہتھیلی سے لکیروں کا عذاب
اک ستارا مجھے محور کی طرف کھینچتا ہے

دشتِ احساس کی شدت سے نکلنا ہے محال
درد بیتے ہوئے منظر کی طرف کھینچتا ہے

چند دھندلائے ہوئے عکس ہیں پس منظر میں
یہ کوئی خواب مجھے گھر کی طرف کھینچتا ہے

غ

تجربہ اور جاں فزا ہو جائے
لہر کشتی کو ناخدا ہو جائے

اس دریدہ بدن پہ سورۂ نور
دم کیا جائے تو ہرا ہو جائے

کیوں نہ دو پل کی دوستی جی لیں
اگلی منزل پہ جانے کیا ہو جائے

سب سلیقے پہ منحصر ہے میاں
حرف تہمت ہو یا دعا ہو جائے

اپنے اپنے گماں کا حصہ ہے
ریت ہی مجھ کو آئنہ ہو جائے

غ

یہ جو شمس و قمر میں روشنی ہے
داستانِ ہنر میں روشنی ہے

نور چمکا حرا کی وادی میں
آج تک بحر و بر میں روشنی ہے

آنکھ ہی منزلیں بناتی ہے
اس پرندے کے پر میں روشنی ہے

ذکرِ شبیرؑ معرفت کی سبیل
یہ مری چشمِ تر میں روشنی ہے

ایک خیمے میں بجھ گیا تھا چراغ
آج تک اس نگر میں روشنی ہے

تجربہ جان ڈال دیتا ہے
اس خمیدہ شجر میں روشنی ہے

غ

ایسے تو گرمیٔ بازار نہیں محضر میں
میں سلگتا ہوں ترے ہجر کے پس منظر میں

کون جانے مری رفتار کہاں لے جائے
کون جانے کہاں بل پڑتا ہے اس تیور میں

ڈھول ہی ڈھول ہے یہ عالم موجود میاں
اور ہم سانس لئے جاتے ہیں اس محشر میں

خوب کٹتے ہیں مری جان شب و روز مرے
میں نے تنہائی کو ڈھالا ہے ترے پیکر میں

چشمِ حیرت میں کئی سائے ہیں تحریک پذیر
مجھ کو تصویریں نظر آتی ہیں اس پتھر میں

غ

رات گذری ہے اس قدر بھاری
خواب آنکھوں پہ ہو گئے طاری

زندگانی حسینیہ دالان
آؤ مل کر کریں عزاداری

ایک مصرع ابھی ہوا ہی نہیں
ایک مصرع لبوں پہ ہے جاری

میں یقیناً اداس رہتا ہوں
مجھ کو آتی نہیں اداکاری

سب کو اپنا مزاج ڈھونا ہے
کوچ کی ہو رہی ہے تیاری

غ

سطحِ قرطاس پہ تصویر بنائی جائے
یعنی جو بات ہے وہ سامنے لائی جائے

کتنے مصروف ہیں جینے کی لگن میں ہم لوگ
کیا ہی اچھا ہو کہ تعطیل منائی جائے

زندگی بہرِ تماشا ہے حضورِ والا!
ناچنے والوں کو یہ بات بتائی جائے

میں ترے ہجر سے آگے کی کہانی کا مزاج
تو مرے لمحۂ انکار میں لائی جائے

درد سہنے کا سلیقہ نہ سکھایا جائے
زخم کو رسم پذیرائی سکھائی جائے

روز اگتے ہیں خیالات کے جنگل راحتؔ
اک ذرا آگ مرے دل میں لگائی جائے

غ

زمین و آسماں کو پاس لاؤ
مقدر کی کہانی مت سناؤ

مری آنکھیں پگھلتی جارہی ہیں
عذابِ دید کو موسم بناؤ

میں نغمہ ہوں زمیں کی وسعتوں کا
مجھے خاموشیوں میں مت گنواؤ

ہواؤ! ماتمی پوشاک پہنو
مری عریانیوں کا غم مناؤ

میں نیلے منظروں میں جی رہا ہوں
مری وحشت کا اندازہ لگاؤ

ستارا استعارا ہے سفر کا
یہ جنگل ہے یہاں پر کھو نہ جاؤ

غ

وقت کی دسترس سے باہر ہوں
میں نئے قافیے کا مصدر ہوں

مجھ کو اس پار سوچنے والے
میں ترے سامنے کا منظر ہوں

یہ ابھی تک نہیں کھلا مجھ پر
گھر میں ہوتے ہوئے بھی بے گھر ہوں

مجھ کو آنکھیں پسند آتی ہیں
میں کسی شام کا مقدر ہوں

میں قلندر مزاج ہوں راحلؔ
دشت کی خامشی کا مظہر ہوں

غ

بے کلی ، درد ، یاس انگیزی
ان زمینوں میں اتنی زرخیزی؟

لذتِ دو جہاں سے بڑھ کر ہے
اک غمِ یار کی دلآویزی

میرے سب دوست رہ گئے پیچھے
زندگی اتنی بھی نہ کر تیزی

کب مجھے سانس لینے دیتی ہے
دشتِ احساس کی بلا خیزی

آنکھ میں زخم ، زخم میں تصویر
خواب اور اس میں اتنی خوں ریزی

غ

ادھورے خواب کا چہرہ اداسی
بدلتے وقت کا لہجہ اداسی

چراغِ آخرِ شب ، آخری لو
خموشی بولتی ہے یا اداسی

گماں کا پہلا منظر روشنی ہے
گماں کا آخری لمحہ اداسی

ترا ہونا بھی اب کافی نہیں ہے
اداسی ہے بہت بے جا اداسی

یہ پھیکی مسکراہٹ ، بھیگی پلکیں
پرانی یاد کا رشتہ اداسی

غ

وہ جو ابھی ابھی تھا میں، یہ جو ابھی ابھی ہوں میں
یعنی کہ زندگی تھا میں، یعنی کہ زندگی ہوں میں

وارفتگیِ خواب کا یہ مرحلہ عجیب ہے
کیا ہم کبھی نہیں ملے، کیا اتنا اجنبی ہوں میں

نوحہ گرانِ ہست و بود کیسے تراشتے سرود
صرفِ نظر کیا گیا مجھ سے کہ نغمگی ہوں میں

تم کہ سراپا خواب ہو حسنِ ازل کا پہلا خواب
عشقِ ابد کی آنکھ میں آئی ہوئی نمی ہوں میں

اس مرحلے میں دل لٹا، اس مرحلے میں جاں گئی
پہلے بھی عارضی تھا میں اور اب بھی عارضی ہوں میں

بزمِ حیات میں سکوت! بزمِ حیات میں قرار!
کتنے شرارتی ہو تم ، کتنا شرارتی ہوں میں

موجِ ہوا گزر گئی ، ابرِ کرم برس گیا
شہرِ خیالِ یار میں راحلؔ جی اجنبی ہوں میں

غ

میں نے رات کو پار کیا تھا
سورج میرا ہی ہونا تھا

دل ہاتھوں میں دھڑک رہا تھا
میں چوری کر کے لوٹا تھا

میں کتنا کچھ بھول رہا تھا
ایسا پہلی بار ہوا تھا

یہ کیسی تصویر گری تھی
میرے ہاتھ پہ کیا لکھا تھا

میرا درد سلامت ہوگا
میں ہی ازل سے جاگ رہا تھا

جب مجھ کو آنکھیں بخشی تھیں
میرا دیکھنا بھی بنتا تھا

میرے گھر تک ریت پڑی تھی
میں نے دشت کا دھیان کیا تھا

وہ ہی مری تشہیر کرے گا
جس نے مرا انکار کیا تھا

چاروں اور تری خوشبو تھی
میں تھا اور خالی کمرہ تھا

غ

آنکھ سے نکلے اشک سنہرے کیوں ہوتے ہیں
درد کے رشتے اتنے گہرے کیوں ہوتے ہیں

مجھ کو سننے والے گونگے کیوں ہوتے ہیں
مجھ سے بولنے والے بہرے کیوں ہوتے ہیں

بابا جانی کون ہے دشمن سوہنے رب کا
ہر مسجد کے باہر پہرے کیوں ہوتے ہیں

جن سے محفل کی رنگینی بڑھ جاتی ہے
اکثر ایسے لوگ اکہرے کیوں ہوتے ہیں

کیسی بھول بھلیوں میں بھٹکا دیتے ہیں
ان خوابوں کے اتنے چہرے کیوں ہوتے ہیں

غ

جلتے ہوئے خیمے ہیں بجھتا ہوا صحرا ہے
اک آنکھ کا پانی ہے اک دل کا اجالا ہے

جیتے ہوئے لشکر کے نرغے میں ہے شہزادی
اس آخری ہچکی کا کیا خوب تماشا ہے

تصویریں اجڑتی ہیں تحریریں بکھرتی ہیں
یہ بے سر و سامانی تکوین کا لہجہ ہے

ہم آج بھی رہتے ہیں پر کیف حوالوں میں
رنگوں سے بنا موسم تصویر کا خیمہ ہے

ترمیم کی مٹھی میں جوہر ہے سلیقے کا
جو آخری لگتا ہے کب آخری ہوتا ہے

غ

در و دیوار پر سایہ پڑا ہے
ہواؤں میں نمی کا ذائقہ ہے

کوئی طوفان ہے کچا گھڑا ہے
نگاہِ شوق منزل آشنا ہے

وہی کنجِ قفس ہے اور ہم ہیں
وہی امید کا جلتا دیا ہے

میں آئینے میں خود کو کھوجتا ہوں
یہ گاؤں کب کا خالی ہو چکا ہے

دسمبر کی کہانی اور کچھ تھی
مرے دل کا اجڑنا حادثہ ہے

غمِ عقبیٰ، غمِ دوراں، غمِ دل
ہمیں کتنا بنایا جا رہا ہے

یہاں انسان بوئے جا رہے ہیں
یہ جنگل اس لئے کاٹا گیا ہے

قبیلہ، قافلہ، قیدی، قطاریں
یہ منظر شام تک پھیلا ہوا ہے

یہ رستہ دور تک جاتا ہے راحلؔ
ہمیں پیچھے بھی مڑ کر دیکھنا ہے

غ

اس سہولت سے اس صعوبت تک
ربط قائم رہا ضرورت تک

زندگی راس آگئی مجھ کو
اور یہ ساتھ ہے مسافت تک

بے بدل کون ہے زمانے میں
ٹوٹ جاتی ہے یاں روایت تک

کوئی بھی مرحلہ نہیں آسان
بات ہوتی ہے استقامت تک

یہ عنایات مار دیں گی مجھے
عشق بے جا نہ تھا اذیت تک

ہر سلیقہ عطا پہ مائل ہے
اور سلیقہ رہے اطاعت تک

میں تو بس گردِ راہ تھا راحلؔ
اک حکایت سے اک حقیقت تک

غ

سینے میں ریاضت کی انی ٹوٹ رہی تھی
دل ٹوٹ چکا آنکھ ابھی ٹوٹ رہی تھی

جب چاند تہہ آب مجھے ڈھونڈ رہا تھا
اک عکس کی خوابیدہ روی ٹوٹ رہی تھی

جب آنکھ کھلی سارا بدن ٹوٹ رہا تھا
سچ یہ ہے کہ آشفتہ سری ٹوٹ رہی تھی

جلتی ہوئی اک شام تھی بجھتا ہوا صحرا
جب رقص میں پائل کی کڑی ٹوٹ رہی تھی

ہر سمت کسی یاد کا سامان پڑا تھا
آنسو نہ تھے ہیرے کی کنی ٹوٹ رہی تھی

اک میں ہی نہ تھا گزری ہوئی رات کا قصہ
دنیا بھی مرے پاس پڑی ٹوٹ رہی تھی

غ

شوق نے لذتِ پرواز عطا کی مجھ کو
ایک بنجارے نے جینے کی دعا دی مجھ کو

میں اکیلے میں بہت خوفزدہ رہتا ہوں
یہ مری دیدہ وری راس نہ آئی مجھ کو

وقت نے حسن بڑھایا ہے مری وحشت کا
وقت نے دی ہی نہیں کوئی تسلی مجھ کو

درد کا ذائقہ تحریر میں آ سکتا ہے
میں کہانی کو بڑھاتا ہوں کہانی مجھ کو

اس قدر کرب کہ میں بھول گیا نام ترا
اس قدر کرب کہ پھر نیند نہ آئی مجھ کو

غ

موجِ تاثیر سے اکنافِ ہنر دور نہیں
بڑھتے جاؤ کہ ابھی نورِ سحر دور نہیں

کچھ بھی ہو سکتا ہے اس رات کی عریانی میں
جاگتے رہیے کہ دریا سے نگر دور نہیں

میں کسی روز ستاروں میں ملوں گا تجھ کو
آسماں دور سہی حسنِ نظر دور نہیں

ایک احساس کی شدت نے سمیٹا ہے مجھے
اک سلیقہ ہے عنایت سے ادھر، دور نہیں

آؤ ترتیب دیں تقدیر کا موسم راحلؔ
دھوپ اوڑھے ہوئے رستے سے شجر دور نہیں

غ

سنا ہے چپ کی بھی کوئی پکار ہوتی ہے
یہ بدگمانی مجھے بار بار ہوتی ہے

خیال و خواب کی دنیا سراب کی دنیا
نظر فقیر کی پردے کے پار ہوتی ہے

عذاب دیدہ کوئی رنگ سینچتے کیسے
خزاں گزیدگی آشفتہ بار ہوتی ہے

میں اپنے حصے کے منظر اجالنے سے رہا
یہ آگہی تو بہت دل فگار ہوتی ہے

امید ہی سے زمانے میں شاد کامی ہے
یہی وہ شاخ ہے جو سایہ دار ہوتی ہے

یہ رات ماتمی ملبوس ہی میں جچتی تھی
یہ رات ہی تو ہمیں پرسہ دار ہوتی ہے

میں جی رہا ہوں تو جینے کا حوصلہ دیکھو
یہ زخم کوشی تغافل شعار ہوتی ہے

غ

یہ ہونے نہ ہونے کا تقاضا ہے کہ کچھ ہے
ہر گام کڑی پیاس کا پہرہ ہے کہ کچھ ہے

ویسے تو وہی رنگ، وہی ڈھنگ، وہی طور
ارزانیٔ بازار سے لگتا ہے کہ کچھ ہے

اس شخص میں گہرائی سمندر کی طرح ہے
لیکن وہ کسی پر کہاں کھلتا ہے کہ کچھ ہے

اکثر رخِ قرطاس پہ ہوتا نہیں کچھ بھی
اکثر ہمیں احساس یہ ہوتا ہے کہ کچھ ہے

اس شہرِ پراسرار کو آئینہ بنا دو
ہر کوئی یہاں چیختا رہتا ہے کہ کچھ ہے

غ

گزر رہی ہے تو راحل میاں! گزارا کر
ذرا سی بات پہ اتنا بھی مت تماشا کر

چراغ اور ستارے مرے کنایے ہیں
اے وحشتِ شبِ ہجراں! مجھے نہ رسوا کر

قریب تر ہے کہ لشکر میں پھوٹ پڑ جائے
کسی نے رکھ دیے مقتل میں آئینے لا کر

خیالِ حسنِ ازل! اے خیالِ حسنِ ازل!
کبھی کبھی تو مری وحشتوں میں آیا کر

سنا ہے آخری کردار مرنے والا ہے
سو اس کہانی کو دیوار و در میں زندہ کر

غ

شاید تمہارا نام سا اترا تھا دھیان میں
اک ذائقہ سا آنے لگا تھا زبان میں

اس دن ہوا بھی تیز چلی ، دیر تک چلی
ہم بھی اڑان میں رہے وہ بھی اڑان میں

جنگل تمام گونج اٹھا میری چیخ سے
اک سانپ آ کے ڈس گیا مجھ کو مچان میں

دل وسوسوں سے کیوں نہ بھرے یار خوش گماں
آسیب رہنے لگتے ہیں خالی مکان میں

ہم بھی تماش بین تھے ہم بھی کھڑے رہے
اک سانحہ گزرتا رہا درمیان میں

غ

یہ مرحلہ عجیب ہے دمِ وصال بھی نہیں
ترے فراق میں جو حال تھا وہ حال بھی نہیں

مرا وجود بھی نہیں ترا سرود بھی نہیں
یہ ہست و بود بھی نہیں یہ قیل و قال بھی نہیں

میں انتساب وقت کے مزاج کا نقیب ہوں
مجھے کمال بھی نہیں مجھے زوال بھی نہیں

تمام بے نیازیاں تمام کج ادائیاں
تجھے حرام بھی نہیں مجھے حلال بھی نہیں

ابھی دھڑک رہا تھا دل، ابھی دھڑک نہیں رہا
ترا خیال تھا مجھے، ترا خیال بھی نہیں

غ

گھڑی کی سوئی الٹی چل رہی تھی
کوئی تصویر مجھ سے گفتنی تھی

میں کیوں پچھلے پڑاؤ میں کھڑا ہوں
ذرا سی دیر ہی تو ہو گئی تھی

کہانی کا سماں بدلا ہوا تھا
فراقِ یار کی آخر گھڑی تھی

فلک اس رنگ میں بھی خوشنما ہے
زمیں اس رنگ میں بھی بچ رہی تھی

میں تہہ خانے تلک پہنچا تھا راحلؔ
وہاں شہزادی ماری جا چکی تھی

غ

جو ہلچل سی درونِ خامشی ہے
دبے پاؤں قیامت چل رہی ہے

یہاں لوگوں کے دل پتھر ہوئے ہیں
یہاں سینے میں برچھی ٹوٹتی ہے

سمندر سرخ ، نیلی مچھلیاں ہیں
نظر تصویر میں رکھی ہوئی ہے

نہیں ہے اعتبار آئندگاں کا
یہاں ہر ایک منظر عارضی ہے

فلک خاموش ہے بہرِ تماشا
زمیں گھوڑوں کی ٹاپیں سن رہی ہے

سوا نیزے پہ سورج جل رہا ہے
سرِ نیزہ تلاوت ہو رہی ہے

غ

آنکھ ہے، آئنہ ہے، مشعل ہے
کوئی تصویر تو مکمل ہے

اس جگہ شہر ہونا چاہیے تھا
سامنے دیکھیے تو جنگل ہے

میں بھی ایڑی پہ گھوم جاؤں گا
اور یہ بے کلی بھی دو پل ہے

بس مجھے درمیان میں رکھنا
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

یہ تو منظر پہ منحصر ہوگا
مدعا دشت ہے کہ بادل ہے

غ

وہ جو سایہ تھا وہ کئی زمانوں سے گھر میں تھا
وہ جو شخص تھا وہ جنم جنم سے سفر میں تھا

وہ جو دھول تھی کسی کارواں کا نشان تھی
وہ جو راستہ تھا وہ وحشتوں کی نظر میں تھا

وہ جو لوگ تھے کئی سال پہلے ہی مر گئے
وہ جو شہر تھا کسی رفتہ راہگزر میں تھا

وہ جو نام تھا مرے ہر مرض کی شفا بنا
وہ جو ذکر تھا مری تازگی کے ثمر میں تھا

وہ جو آگ تھی وہ فروغِ لمحۂ کن رہی
وہ جو اشک تھا وہ ازل سے دیدۂ تر میں تھا

وہ جو نہر تھی مرا نالۂ شبِ تار تھی
وہ جو دشت تھا مری خامشی کے اثر میں تھا

غ

خموش میں بھی تھا اور وہ بھی چپ رہی اس دن
ہوائے سرد بہت دیر تک چلی اس دن

میں ٹوٹتا گیا اور دور تک بکھرتا گیا
مگر کہاں کوئی آواز روکتی اس دن

فلک سے سبز پرندے اترنے والے تھے
زمیں پہ بار ہوئی میری خامشی اس دن

تمہارا نام مجھے یاد ہی نہیں آیا
کوئی بھی بات مقدم نہیں رہی اس دن

وہ ایک شام، وہ شامِ طرب، وہ شامِ سرود
مری عزا میں شریکِ ملال تھی اس دن

غ

ایک منظر کی رہنمائی ہے
آنکھ اس پار دیکھ آئی ہے

آنکھ میں خواب کی تسلی ہے
خواب میں زندگی سمائی ہے

حرف ملتا نہیں اندھیرے میں
روشنی اصلِ روشنائی ہے

میں ازل سے رہا ہوں خوگرِ غم
زندگی مجھ کو راس آئی ہے

ایک آواز بے حجابانہ
اک زمانہ سمیٹ لائی ہے

غ

رنگ ملبوس ایک تتلی ہے
بے حجابی میں پردہ داری ہے

دو قدم میرے ساتھ چلنے میں
رات کی سانس پھول جاتی ہے

اس کہانی کا روپ لینے تک
بات کن مرحلوں سے گزری ہے

خواب آنکھوں میں جھلملاتے ہیں
روشنی آئنے میں رہتی ہے

موت انجام ہو نہیں سکتا
زندگی حادثہ نوازی ہے

اک زُحَل زائچے میں بستا ہے
اور وہ زائچہ ہتھیلی ہے

آئنہ دیر تک چمکتا ہے
چاندنی عکس چھوڑ جاتی ہے

غ

میانِ دیدۂ تر روشنی ہے
ابھی تک زیرِ خنجر روشنی ہے

میں اکثر دل کا کہنا مانتا ہوں
اس آئینے کے بھیتر روشنی ہے

زمیں زادو! زمیں کی لاج رکھ لو
کہانی میں سمندر روشنی ہے

یہاں تیروں کے بدلے مسکراہٹ
یہاں نیزوں کے اوپر روشنی ہے

میں اک پرچم کے سائے میں کھڑا ہوں
یہاں آؤ یہاں پر روشنی ہے

مری آنکھیں تلاوت کر رہی ہیں
پسِ دیوارِ منظر روشنی ہے

غ

جانے کس اور ستارا جائے
اپنے مرشد کو پکارا جائے

اک ضرورت کی تھکن رہتی ہے
آخری بار سہارا جائے

پھر کوئی شاخ بدن سے پھوٹے
پھر کسی بن سے گزارا جائے

تب اتارا تھا زمیں پر ہم کو
اب زمانے پہ اتارا جائے

ایک تصویر سہولت ہے مجھے
ورنہ یہ ہجر گزارا جائے

غ

یہ کس نے دشتِ بلا سے مجھے پکارا ہے
ابھی ابھی تو مجھے زندگی نے ہارا ہے

تصورِ رخِ جاناں کیے ہوئے ہم لوگ
ہماری آنکھ میں آنسو نہیں ستارا ہے

کوئی چراغ، نہ جگنو، نہ آئنہ، نہ کتاب
یہ کیسا خواب مری آنکھ پر اتارا ہے

بس اک امید ہے جس نے سنبھال رکھا ہے
بس ایک نام ہے جس کا ہمیں سہارا ہے

ابھی میں آیۂ تطہیر پڑھنے والا ہوں
یہ خامشی کسی الہام کا اشارا ہے

غ

دشت کی خاک اڑانا مرے دوست!
دل کی تصویر بنانا مرے دوست!

میں کسی کا بھی طرفدار نہیں
مجھ پہ انگلی نہ اٹھانا مرے دوست!

زندگی رنجِ مسلسل کا مزاج
زخم کا بوجھ اٹھانا مرے دوست!

تجھ کو ہجرت کا سلیقہ نہ شعور
تو مرے پاس نہ آنا مرے دوست!

کتنے بے چین زمانوں کا سرود
بس ترا ایک بہانہ مرے دوست!

غ

کچھ نہ کچھ مان سلامت ہے ابھی
ایک امکان سلامت ہے ابھی

کھینچ سکتا ہوں غمِ دل کا سرور
اتنا سامان سلامت ہے ابھی

اک مسلمان کا سر کاٹا گیا
اک مسلمان سلامت ہے ابھی

میری بیٹی مرے ورثے کی امیں
یہ قلمدان سلامت ہے ابھی

ان ہواؤں میں نمی ہے راحتؔ
کوئی انسان سلامت ہے ابھی

غ

میں ازل سے ہوں وحشتی صاحب
ریت کب ایک جا ٹکی صاحب

آپ الفت کی بات کرتے ہیں
وہ جو تتلی تھی اڑ گئی صاحب

صرف اک اسم کا چراغ جلا
اور دیوار چل پڑی صاحب

قافلے سے بچھڑنے والوں کی
شام اب تک نہیں ڈھلی صاحب

آپ کا انتظار تھا شاید
آنکھ تصویر ہو گئی صاحب

لوگ دونوں طرف سے مارے گئے
آگ دونوں طرف لگی صاحب

اب ذرا شور و غل مچاتے ہیں
زندگی یوں بھی دیکھ لی صاحب

غ

ننگی دھرتی کے سینے پر جب اندھیارا پھیلا تھا
دور پہاڑوں کے دامن میں ایک دیا جل اٹھا تھا

پہروں اپنی انگلی پکڑے اک پیپل کی چھاؤں میں
اکثر خود سے کھو جاتا تھا اکثر خود کو پایا تھا

کیسی کیسی بھولی بسری یادیں من میں ہری ہوئیں
مست ہوا نے اڑتے اڑتے دل کا دامن کھینچا تھا

آگ سمندر، دھوپ کنارے، جلتا ساحل، تپتی ریت
میں نے اپنے افسانے کا یہ انجام نہ سوچا تھا

ایک ادھورا خواب تھا راحلؔ ایک ادھورا آنسو تھا
دو آنکھیں تھیں پر دونوں کا ایک ہی منظر نامہ تھا

غ

آنکھ جب خواب ریزے چنتی تھی
کھیت میں موتیا مہکتی تھی

من ترے دھیان ہی میں لگتا تھا
خواب میں روشنی پنپتی تھی

روز امید باندھ لیتے تھے
ایک چڑیا اناج چگتی تھی

اشک آنکھوں میں زخم بھرتا تھا
رات میں چاندنی سلگتی تھی

انگلیاں تھیں کہ مرمریں ڈلیاں
اور پوروں میں آگ رہتی تھی

کتنے ویران پل میں جیتی ہے
وہ جو تاریکیوں سے ڈرتی تھی

غ

گردشِ چاک پر اتر آیا
میں نواحِ نظر اتر آیا

یہ ترے لمس کا کرشمہ تھا
رنگ تصور پر اتر آیا

زخم سے بھر رہا تھا میرا بدن
درد بھی نیزہ بھر اتر آیا

وحشتِ دشتِ کلفتِ جاں میں
بے ثباتی کا ڈر اتر آیا

وقت کی داہنی ہتھیلی پر
ارتعاشِ ہنر اتر آیا

غ

زمانے کا اثر تبدیل کرتے ہیں
ستارے بھی تو گھر تبدیل کرتے ہیں

تو میری اور بڑھ میں پیچھے ہٹتا ہوں
چلو ہم اپنے ڈر تبدیل کرتے ہیں

سخن تو میر کو الہام ہے، ہم لوگ!
فقط زیر و زبر تبدیل کرتے ہیں

ارادے جب رگوں میں زخم بھر جائیں
نظر، پیش نظر تبدیل کرتے ہیں

پلٹ جاتے ہیں اپنی پیاس کی جانب
لبِ دریا سفر تبدیل کرتے ہیں

نجانے زندگی کا رنگ کیسا ہو
کہ اہلِ دل نظر تبدیل کرتے ہیں

کوئی خوشبو ، کوئی تتلی ، کوئی چہرہ
علامت سے ہنر تبدیل کرتے ہیں

ہمیں درپیش ہے لمبا سفر راحلؔ
اسے مقدور بھر تبدیل کرتے ہیں

غ

میرے حصے میں ازل سے کوئی گھر تھا ہی نہیں
مجھ سے پہلے کوئی آشفتہ سفر تھا ہی نہیں

میں تری یاد کے سائے میں بسر کرتا رہا
اس خرابے میں کوئی اور شجر تھا ہی نہیں

کوئی دم، کوئی گھڑی رو دیا کرتے تھے میاں
تیری فرقت میں قرینے کا ہنر تھا ہی نہیں

ایک دروازہ جہاں نور بچھا رہتا تھا
ایک آنگن کہ جہاں کوئی بشر تھا ہی نہیں

ایک تصویر تصور کی فراوانی تھی
اک تخیل کہ زمانے سے ادھر تھا ہی نہیں

اس قدر درد کہ بھرتا ہی نہ تھا آہ یہ دل
اس قدر خوف کہ پھر کوئی بھی ڈر تھا ہی نہیں

غ

شب باشی کے سارے گہنے پہنے ہیں
ہم نے اپنے زخم اتار کے پہنے ہیں

میں نے انہونی کا ماتم تیاگ دیا
میں نے عید پہ اجلے کپڑے پہنے ہیں

دل کی دھڑکن اور دروازے پر دستک
آوازوں نے ایک سے لہجے پہنے ہیں

میری آنکھوں میں مرجان سی لالی ہے
رب جانے یہ چشمے کب سے پہنے ہیں

سب نے اپنی اپنی چال چلی ہوگی
سب نے اپنے اپنے جوتے پہنے ہیں

خود کو بھی پہچان نہ پائیں گے راحتؔ
ہم لوگوں نے اتنے چہرے پہنے ہیں

غ

زرد منڈیر پہ سرخ کبوتر دیکھے ہیں
چشم فلک نے یہ بھی منظر دیکھے ہیں

اگلے موڑ پہ کیا ہوگا یہ کس کو پتہ
ہم نے خواب میں کالے پتھر دیکھے ہیں

اس ہونی اور انہونی کی بستی میں
ہونی اور انہونی کے ڈر دیکھے ہیں

میں نے اپنے سارے زخم کریدے تھے
تم نے جلتے دشت میں کیکر دیکھے ہیں؟

خوف ہمارے پہلے دن کا سرمایہ
ہم نے ان آنکھوں کے تیور دیکھے ہیں

کچھ یادوں کو امرت جل کی نمیابی
کچھ لمحے تقویم سے باہر دیکھے ہیں

کون مجھے بتلائے گا اس دشت کا حال
کس نے بے خوابی کے منظر دیکھے ہیں

غ

میری تنہائی کا ماتم کون کرے گا میرے ساتھ
گئے دنوں کا سارا ترکہ لٹ جائے گا میرے ساتھ

وقت محلِ عبرت ہے پر اے غمِ دوست! تسلی رکھ
میں کوئی شہزادہ تو نہیں کہ خوف رہے گا میرے ساتھ

کوئی تو میرا غم بانٹے کوئی تو مجھ سے بات کرے
کون ہے جو وحشت کا جنگل پار کرے گا میرے ساتھ

روزِ ازل سے رات کے گہرے سائے، زخم گری اور میں
میں تو ازل سے جاگ رہا ہوں تو جاگے گا میرے ساتھ؟

ہر آواز کے دو لہجے ہیں ہر لہجے کے دو معنی
راحلؔ جانے کس لہجے میں بات کرے گا میرے ساتھ

غ

میں ساری رات سنوں اور تو کلام کرے
یہ آرزو ہے کہ اک آرزو کلام کرے

وہ چاشنی جو بڑھاتی ہے تشنگی کا سرور
وہ ذائقہ جو پسِ گفتگو کلام کرے

نگار خانۂ ہستی ، فریب خانۂ دل
کہیں چراغ ، کہیں جستجو کلام کرے

سخن کا رمز ودیعت کیا گیا ہے مجھے
مری زبان کٹے تو لہو کلام کرے

وہ جس کے نام سے لفظوں میں ذائقہ ہے میاں
تو کیا مزہ ہو اگر روبرو کلام کرے

یہ بزمِ اہلِ مؤدت ہے بزمِ اہلِ ولا
جو تیرا نام بھی لے باوضو کلام کرے

غ

شبنمی نور کا اجالا ہے
رات کا ایک بجنے والا ہے

بے کلی منسلک امید سے ہے
وسوسہ بے دلی نے پالا ہے

کچھ دعائیں اثر رسیدہ تھیں
یہ جو تھوڑا بہت اجالا ہے

تیری اپنی دلیل اپنا جواز
زندگی موتیوں کی مالا ہے

جھیل کے ہاتھ میں کنول کا سکون
چاند کو چاندنی کا ہالہ ہے

بے سبب جنگ ہونے والی ہے
بے سبب شہر لٹنے والا ہے

تشنگی اور بے کلی کا سرور
دشت نے کتنا قد نکالا ہے

خواب زخمائی آنکھ میں راحل
موجۂ درد نے اچھالا ہے

غ

خیالِ خشک و تر نہ تھا
گئی رتوں میں ڈر نہ تھا

دلوں میں فاصلے نہ تھے
یہ زخم اس قدر نہ تھا

جہانِ اضطراب میں
کوئی ہرا شجر نہ تھا

ورائے دید کچھ تو تھا
جو تھا وہ آنکھ بھر نہ تھا

کوئی علم ، کوئی نشاں
فصیلِ جسم پر نہ تھا

یہ زندگی طویل تھی
میں آخری بشر نہ تھا

نظر نظر کی بات تھی
وہ نقش تھا ، اثر نہ تھا

غ

رات مجھ کو نیند آئی
دو قدم کی پسپائی

رنگ و نور کا ماتم
چشمِ تر میں بینائی

جھیل میں پری اتری
چاند نے لی انگڑائی

زندگی کا لطف آیا
دل میں کوئی بات آئی

دشتِ کلفتِ جاں میں
آنکھ پانی بھر لائی

غم سرشتِ آدم میں
رکھ دیا گیا بھائی

زخم وقت کا سایہ
وقت یاد پیمائی

کچھ سفر کٹھن راحلؔ
بر سبیل تنہائی

غ

زخم ترتیب میں رہا ، نہ رہا
وہ کرامت وہ معجزہ نہ رہا

سانس لیتا ہوں خوف کھاتا ہوں
وہ تسلی کا ذائقہ نہ رہا

پتیاں پتیاں بکھر گئے پھول
باغ کا دل بہار کا نہ رہا

آنکھ تکتی تھی راستہ ، نہ رہی
دل جسے میرا دھیان تھا نہ رہا

زندگی ہے کہ ماتمی سنگت
گونجتا تھا جو قہقہہ نہ رہا

روٹھ جانا، گلے لگا لینا
دھوپ چھاؤں کا سلسلہ نہ رہا

یا الٰہی! کرم بڑھا دیجیے
اب دعاؤں کا آسرا نہ رہا

11 دسمبر 2015
اپنی جان سے عزیز دادی اماں کی وفات پر

غ

ہر خرابی خطِ تقدیر کے سر ہے راحلؔ
زخم تشکیک نگاری کا ثمر ہے راحلؔ

درد کے سینے پہ اترا ہے سکینہ یارم
تیرے لہجے میں تسلی کی خبر ہے راحلؔ

میری بینائی ہے اک نور سحر کی امید
میری سانسیں ہیں کہ اک عزمِ سفر ہے راحلؔ

خواب کے دل سے چرایا ہوا تعبیر کا رنگ
رات بھر جاگتے رہنے کا اثر ہے راحلؔ

زندگی نے تو گزرنا ہے گزر جائے گی
اور پھر بھی ہمیں انہونی کا ڈر ہے راحلؔ

غ

ہر نفس ایک امتحاں ہے آج
زندہ رہنا بہت گراں ہے آج

اس جگہ تک ہمارا سایہ تھا
جس جگہ یار! آسماں ہے آج

تُو کہاں اور میں کہاں تھا کل
میں کہاں اور تُو کہاں ہے آج

زندگی کوئے دلبراں تھی کبھی
زندگی کوئے کشتگاں ہے آج

یہ روایت نہیں درایت ہے
یہ مرا دل دھواں دھواں ہے آج

شامِ غم! فرصتی نہیں ہوں میں
حوصلہ! حوصلہ کہاں ہے آج

رفتگاں رفتگاں ہوا راحل
ہر گھڑی زیبِ داستاں ہے 'آج'

غ

ازیت کا حوالہ چاہیے تھا
کوئی منظر ادھورا چاہیے تھا

کہانی بے زبانی سے چلی تھی
سخن کو استعارا چاہیے تھا

مری تاریک راتوں کا حوالہ
کھرچ کر پھینک دینا چاہیے تھا

ہمیں کب سرفروشی سے غرض تھی
زمانے کو اجالا چاہیے تھا

میں رستے کا تعین کر رہا ہوں
مجھے پہلا ستارا چاہیے تھا

ترے غم کا تقدس ہے کہ چپ ہوں
وگرنہ مجھ کو رونا چاہیے تھا

غضب کی دھوپ نے جھلسا دیا ہے
شجر کو اپنا سایہ چاہیے تھا

یہاں جنگل ہوا کرتا تھا راحلؔ
یہ قصہ بھول جانا چاہیے تھا

غ

عکس دھندلا گئے پہیلی پر
زخم ہیں خواب کی ہتھیلی پر

اپنے اپنے نصیب کا دکھ ہے
سانپ عاشق ہوا چنبیلی پر

ہم نے سائے سے بھی گریز کیا
آپ کو مان تھا سہیلی پر

رات بھر چیختا ہے سناٹا
کیسا آسیب ہے حویلی پر

سن مرے بدگمان! سن تو سہی
شک نہیں کرتے یار بیلی پر

غ

انہونی کا خوف نہ کھاؤ
اپنے آج میں واپس آؤ

دھرتی ، دیپک ، دھڑکن ، داؤ
دیپ سے دیپ جلاتے جاؤ

زور کی بجلی کڑکی ہوگی
نور سے بھر گئے سارے گھاؤ

مٹھی کھولو رنگ سمیٹو
خط کھینچو تصویر بناؤ

یار موبائل سائلنٹ کر دو
جانی اک سگرٹ سلگاؤ

ہر پل ویرانی بکھری ہے
پیارے رستہ دیکھ کے آؤ

کالا پتھر سبز ہتھیلی
نیلی جھیل سنہری ناؤ

غ

پہلے بسا کے آنکھ میں خواب کو دل دیا گیا
پھر اُسی خواب کا لہو چہرے پہ مل لیا گیا

ایک سرے پہ بے کلی پھاہا بنا کے رکھ دیے
تارِ جنوں سے زخم کا دوجھا سرا سیا گیا

ہم کہ عذاب دیدہ لوگ ، ہم کہ سراب آشنا
زندگی ایک مسئلہ ، مسئلہ حل کیا گیا

جامِ الست پی لیا ، دست بدست پی لیا
وہ جو بقا کا جام تھا ہم سے کہاں پیا گیا

زحتِ سفر ہیں واہمے ، پیشِ نظر ہیں حادثے
پھر اسی بے کلی میں بھی کتنا سفر کیا گیا

آنکھ کھلی تو اور تھا بزمِ حیات کا سماں
زندگی خواب ہوگئی ، خواب میں جی لیا گیا